تمت بالخیر

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

دیباچہ

اُردو شاعری نے گذشتہ صدی میں جو حیرت ا
ترقّی کی ہے اُس کو دیکھتے ہوے کون کہہ سکتا ہے
وہی محمد شاہی دور کا دفترِ بے معنی ہے جس کے سودائیوا
ایک ایرانی نازک دماغ نے "پوچ گویانِ ہند" کا لقب دیا
غالب انیس - حالی - اکبر اقبال جس نورانی پیکر
حواس خمسہ ہوں وہ کیوں نہ جھوم کر کہے -

ثبت است بر جریدۂ عالم دوامِ ما

مجھے ابتدا سے شعر کا شوق تھا - شاید خاک لکھنؤ کا اثر
۱۸۹۲ء میں جب میں کیننگ کالج لکھنؤ میں پڑھتا تھا تو خوا
عزیز الدین صاحب عزیز مصنّف مثنوی بدر بھیا اور
براہیم حسین صاحب ناظم متبع خواجہ آتش کے پاکیزہ افادا
نے اس شوق کو تیز کر دیا لیکن اُنھیں ایام میں حضرت م
مرشدنا قدوۃ العارفین سراج السالکین حضرت شاہ ابو الا

نعیم انصاری فرنگی محلی کی فیض تربیت نے شعر و سخن کی
ں کو سینہ میں بند کردیا کہ جب ضرورت ہو زبان کا بٹن
کر روشن کر لیجائے۔
سنہ ۱۹۰۲ء میں آب و دانہ کی کشش مدرسۃ العلوم علیگڈھ سے
بڑودہ کھینچ لائی اور آج تک یہاں سے جنبش نہونے دی۔
ں کی معاشرت جدا۔ زبان الگ شعر و سخن کا کیا ذکر۔
ں کبھی ایام گذشتہ کی یاد یا حالات حاضرہ کے
سے کچھ لکھکر رکھ چھوڑتا تھا لیکن چونکہ زبان مادری کی
بت بھی ضروری ہے اسلئے یہ چھوٹی سی "شمع سخن"
م احباب کے لئے نذر ہے۔

ں ارباب صفا تم پہ یہ روشن ہو جائے   ہے یہ وہ شمع کہ خنداں بھی ہے گریاں بھی ہے

خدا کرے یہ اشعار جنمیں عہد جدید کے خیالات اسلامی اصول
روشنی میں بطرز تغزل ادا کئے ہیں اس ہمہ گیر طوفان انقلاب
ں سکون قلب کا باعث ہوں قال اللہ عزوجل۔

اَلَا بِذِکْرِ اللّٰہِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ

فروری سنہ ۱۹۲۱ء بڑودہ   نواب

چراغِ دل

(۶۔ مارچ سنہ ۱۹۲۰ء)

اُترے ہیں جو زمیں پر روشن دماغ لیکر
وہ ڈھونڈتے ہیں تجھکو دل کا چراغ لیکر

دنیا میں لَو لگائے تجھ سے ہیں جو۔ گئے وہ
تسکینِ قلب لیکر۔ نورِ فراغ لے کر

تہذیبِ مغربی کو دل دے رہے ہو۔ دیکھو
بلبل کو بیچتے ہو کیوں پرِ زاغ لے کر

ظلمتکدے میں عالم کے سوجھتا نہیں کچھ
مثلِ قمر چمکنا اُلفت کا داغ لے کر

دردآشنا دے دیں ہو جو دل وہ دے خدایا
کیا فلسفہ کا چاٹیں خالی دماغ لے کر

آنے دے حشر کا دن پھر دیکھنا تماشا
مانگینگے تجھکو تجھ سے جنت کا باغ لیکر

بزمِ جہاں میں **نواب** اتنی ہی آرزو ہے
بھر دے وِلا سے ساقی دل کا ایاغ لیکر

ترانۂ معرفت

(۱۲- اکتوبر ۱۹۱۹ء)

دُور ہو دنیا کہ تجھ سے آرزو کچھ بھی نہیں
نام خود کہتا ہے یہ تیرا کہ تو کچھ بھی نہیں

اُسپہ مرمٹنا ہی اپنی زندگی اے خضر ہے
آبِ حیواں کیلئے یہ جستجو کچھ بھی نہیں

محفلِ اغیار میں کیونکر کہیں تجھ سے کہ ہائے!
چاہنے والوں کی تیرے آبرو کچھ بھی نہیں

فلسفی شیدائے قیل وقال اور عاشق تیرے
محو ایسے ہیں کسی سے گفتگو کچھ بھی نہیں

عکسِ حسنِ روئے جاناں کی ہے یہ ساری بہار
گلشنِ ہستی میں ورنہ رنگ و بو کچھ بھی نہیں

اول و آخر ہے تو اور ظاہر و باطن ہے تو
تو ہی تو ہے الغرض اور چارسو کچھ بھی نہیں

خنجرِ تسلیم سے **نواب** گھائل ہیں جو دل
ذبح کو اُنکے یہ خنجر بر گلو کچھ بھی نہیں

نوائے دل

(۲۵۔ جولائی سنہ ۱۹۱۹ء)

سنتا نہیں جہاں میں کوئی ماجرائے دل
یارب کہاں چلے گئے وہ آشنائے دل

مانا کہ لب کریں گے نہ فریاد بر ملا
کوہ الم سے آئیگی لیکن صدائے دل

منکر وجود دل کے ہیں جو زور و شور سے
خلوت میں کس سے کہتے ہیں وہ مدعائے دل

ہر ذرہ کائنات کا گویائے حال ہے
سمجھا نہ اسکو خاک بھی کوئی سوائے دل

مجبوریاں تھیں لائیں جو رنگ اختیار کا
اے حسن یار کیا ہے سراسر خطائے دل

واقف ہوا جو لذت ادراک سے تو خیر
احساس حسن ہو تو یہ ہے ارتقائے دل

ترتیب کائنات ہے آئینہ حسن کا
وہ کون شے تھی جسکو وہ رکھتے بجائے دل
تھا قلب سادہ چاہیے "قلب سلیم" ہو[۱]
وہ ابتدائے دل تھی یہ ہے انتہائے دل
اُمید وار ہیں نظرِ لطفِ یار کے
ہے منحصر اسی پہ فنا و بقائے دل
اے علم[۲] وہ حجاب ہو نواب کے لیے
چھپ جس کے جس سے جلوہ نما ہو صفائے دل

---

[۱] حق تعالیٰ فرماتا ہے اِلَّا مَنۡ اَتَی اللّٰہَ بِقَلۡبٍ سَلِیۡمٍ ۔ انسان کا روحانی ارتقا قلب سلیم کا اکتساب ہے ہمنے اسکی تشریح معارج الدین حصہ اول صفحہ ۲۸ میں کی ہے۔

[۲] اشارہ ہے العلم حجاب الاکبر کیطرف

سوز درون

(۲۸ - ستمبر ۱۹۱۸ء)

مست ہوں اُس نشے میں جس مے کا پیمانہ نہیں
منتِ ساقی نہیں غوغاے میخانہ نہیں

اے مرے اُجڑے ہوے دل تجھکو غم کس بات کا
گنجِ اُلفت کا دفینہ تو ہے ویرانہ نہیں

ہیں کہاں دردآشنا دل قصۂ اُلفت سنیں
ارتقاے بوزنہ کا ہے یہ افسانہ نہیں

اہلِ ظاہر سرحدِ معنی کریں کیونکر عبور
راہداری کا کوئی پاس انکے پروانہ نہیں

ماجراے بزمِ جاناں حق ہے حق کے منکرو!
قصۂ سوز وگداز شمع و پروانہ نہیں

کیا ہے؟ کیوں ہے یہ جہاں تو ہی بتا اے فلسفی!
میں تو دیوانہ ہوں اچھا - تو تو دیوانہ نہیں

قیمتِ دل پوچھتے ہو کس لئے نوّاب سے
دونوں عالم ہیں کوئی مثل اسکے دُردانہ نہیں

نورٌ علیٰ نور

(۲۰ - دسمبر سنہ ۱۹۱۹ء)

آنکھ سے لعبتِ ہستی کا تماشا دیکھو
دل سے بازیگرِ اسرار کا جلوہ دیکھو

غلطیِ علمِ مناظر سے نظر کی دیکھی!
دل میں اب منعکس انوارِ تجلّے دیکھو

نیلگوں چرخ اگر حدِ نظر ہے۔ اچھا
دیدۂ دل نے ہے کچھ اور بھی دیکھا دیکھو

آنکھ سے روشنیِ مہر نظر آئے گی
دل سے حسنِ ازلی کا بھی کرشمہ دیکھو

صورتِ عالمِ ذرا آنکھ سے دیکھی۔ بہتر
دل سے اب معنیِ ایجاد کا نقشہ دیکھو

آنکھ پڑتی ہے کدھر۔ مادۂ فاسد پر!
کھول کر دیدۂ دل روحِ مصفّا دیکھو

سارے عالم میں کشش آنکھ سے دیکھی کیا خوب
کششِ حسن کو بھی دل سے اب اچھا دیکھو

ارتقا[۱] آنکھ سے گر تمنے صریحًا دیکھا
"اصطفےٰ" کا بھی ذرا دل سے کنایۃً[۲] دیکھو

سیکڑوں شمس و قمر آنکھ سے دیکھے تمنے
دل سے اب نورٌ علیٰ نور کا جلوہ دیکھو

پڑھ لیا آنکھ سے گو قصۂ ماقبلِ حیات
دل سے مابعد[۳] کی شکلوں کا نتیجہ دیکھو

آنکھ کے تل میں نظر آتا ہے سارا عالم
اور اُسے دل کے سویدا میں ہویدا دیکھو

دونوں آنکھوں سے جو جی چاہے وہ دیکھو ہر دم
دل سے دلدار کو اک بار خدارا دیکھو

دیکھنے والو ابھی آنکھ سے دیکھا کیا ہے
آؤ نواب کے دل کا بھی تماشا دیکھو

اشارہ ہے اس آیہ کریمہ کیطرف اِنَّ اللّٰہَ اصْطَفٰی اٰدَمَ وَ نُوحًا وَّآلَ اِبْرَاھِیْمَ وَ اٰلَ عِمْرَانَ
عالمین اصطفےٰ کے متعلق "رمز اصطفےٰ" کے اشعار آئندہ پڑھو۔ ۲؎ والکنایۃ ابلغ
(بقرہ)
صراحۃ ۳؎ ارتقاے آیندہ یعنی معاد۔

رمز اصطفیٰ

(۲۳ - جنوری سنہ ۱۹۲۰ء)

ارتقا ہے گرچہ ظاہر جسم انساں کے لیے
ارتقا اک اور بھی پوشیدہ ہے جاں کے لئے
عقل میں آتا ہے طبعی انتخاب انواع کا
انتخاب اک اور بھی ہے عقل و ایماں کے لئے
ارتقا ذرّات عالم کے لیے - اور اصطفیٰ[۱]
آدمؑ و نوحؑ - آل ابراہیم و عمراں کے لئے
فیض ہے عام اسکا لیکن جوہر قابل ہے شرط
بحر و بر سب ہے برابر ابر نیساں کے لئے

---

[۱] سورہ آل عمران میں حق تعالےٰ فرماتا ہے اِنَّ اللّٰہَ اصْطَفٰٓی اٰدَمَ وَ نُوْحًا وَّ اٰلَ اِبْرٰھِیْمَ وَ اٰلَ عِمْرٰنَ عَلَی الْعٰلَمِیْنَ - بقائے اصلح کے مقابلہ میں یہ الٰہی قانون "اصطفٰی" ہے جس پر شیدائیان ڈارونیت غور نہیں کرتے۔

سیکڑوں غولانِ وہم اور راہ تاریک و دراز
رہنما پیدا نہ کیوں ہوں راہِ عرفاں کے لئے

علم جو معلوم تک پہونچا سکے وہ ہے اور ہی
درس دانائی ہے آساں ورنہ ناداں کے لئے

عقل کیا ہے اصل میں یہ اونٹ کی ہے اک نکیل
نغمۂ اوحی کی حاجت ہے حدی خواں کے لئے

وحیِ نورانی گراموفون کی آواز ہے
پردۂ بے پردۂ حق رازِ پنہاں کے لئے

دوڑتی پھرتی تھی بجلی کیطرح آوازِ حق
سارے عالم میں ہوئی پھر بندِ قرآں کے لئے

یہ پیامِ آخری ہاں ارتقائے روح ہے
رحمۃ للعالمیں ہیں فخرِ دوراں کے لئے

راہ کیسا صاف ہے اب راستہ توحید کا
شرک کے کانٹے کہاں ہیں دل کے داماں کے لئے

---

۱ عقل کا مادہ "عقال الابل" ہے یعنی اونٹ کے نکیل ﷺ فاوحی الی عبدہ ما اوحی کیطرف اشارہ ہے

مثلِ قانونِ کشش یہ دیں ہے سب کو کھینچتا
حسنِ انساں کے لیے زنجیرِ شیطاں کے لیے

"عالمِ اصغر"[1] ہے انساں کی طرح اسلام بھی
جس سے ہے ختم نبوت نوعِ انساں کے لئے

پیروی احمدؐ مختار کر نوابؔ تو
ذاتِ اقدس ہے بڑی نعمت مسلماں کے لیے

---

[1] حکما انسان کو عالم صغیر کہتے ہیں۔ دنیا کے مذہب میں اسلام کا بھی یہی حال ہے اور آنحضرت صلعم خاتم الانبیا ہیں عالم خلق میں جسطرح انسان دنیاوی مخلوقات کی ترقی کا خاتم تسلیم کیا گیا ہے اور کوئی عاقل یہ نہیں اعتراض کرتا کہ کیا مصورِ حقیقی کا خزانہ خالی ہو گیا جو یہ سلسلہ موقوف ہو گیا اسیطرح عالم امر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ادیان کے نشو و نما کے خاتم ہیں اور کوئی سمجھدار یہ نہیں کہہ سکتا کہ یہ نورانی دائرہ محدود اور یہ روحانی دروازہ مسدود کیوں کر دیا گیا۔

ذوقِ شہود

(۱۸ - جنوری سنہ ۱۹۲۰ء)

دیکھ حق کے فعل کی بیواسطہ تاثیر کو
توڑ بھی دے علت و معلول کی زنجیر کو

ں حکما جسے علت و معلول کا سلسلہ سمجھتے ہیں وہ اصل میں محض مقدم و موخر کا
ہے جو ایک مقررہ ترتیب کے ساتھ نظر آرہا ہے۔ فاعل اور موثر حقیقی اصل میں
ات پاک ہے۔ سورۂ واقعہ میں ایک مقام پر مذکور ہے أَفَرَءَيْتُم مَّا تَحْرُثُونَ
مْ تَزْرَعُونَهُ أَمْ نَحْنُ الزَّارِعُونَ۔ الآیہ (ترجمہ) کیا تم نے دیکھا جو بوتے ہو
یتے ہو اُسے یا ہم ہیں بونے والے الخ) حق تعالیٰ نے ان آیات میں تین مثالوں کیطرف اول
دل کھیتی۔ دوم پانی پینے کا۔ سوم آگ جلانے کے ان تینوں مثالوں میں افعال کو
طرا اپنی طرف منسوب کیا ہے تاکہ انسان جسکے دماغی قوتوں نے قوانین فطرت کے
شان مشین کے کُل پرزوں کو دریافت کرکے عناصر کو مسخر کیا ہے اسباب و علل
بڑوں میں اپنے دامن دل کو اُلجھنے نہ دے۔

عقدۂ نظم جہاں اور اُسکو کھولے اِتّفاق
دخل ہے البتہ اسمیں ناخنِ تدبیر کو

واہ کیسا وہ ہیولانی[1] غبار افلاک کا
آنکھ میں ساقی کے دیکھو سرمہ کی تحریر کو

سیکڑوں عالم بنیں۔ بگڑیں غرض جو کچھ بھی ہو
ہم ہیں اور دلمیں چھپائے یار کی تصویر کو

کس سے روشن ہیں زمین و آسماں کون و مکاں
دور بیں دل کی لگا کر دیکھ اس تنویر کو

کاش پیدا تجھ میں بھی ہو جائے یہ ذوقِ شہود
فلسفی رہنے بھی دے بس ختم کر تقریر کو

جو ہوا۔ ہوتا ہے۔ ہوگا سب ہے اس کے حکم سے
روئیے نواب کیوں تدبیر کو تقدیر کو

---

[1] ہیولانی غبار سے مراد "ہیولاؔ" ہے جو آسمانوں پہ آتشی کُہرے کے بادل کی شکل میں نظر آتا ہے خیال کیا جاتا ہے کہ بے شمار دنیائیں اور سیارے اسی بقعۂ نور سے بنے ہیں۔

قطعہ

پہلے ابن اللہ تھے۔ ہیں آج نسناسی نژاد
یا تو وہ توقیر یا دیکھو تو اس تحقیر کو
ارتقائی خاک بھی سمجھا نہ رمزِ اصطفےٰ"
بندش قانون فطرت یاد ہے بے پیر کو

قال و حال

(۱۹-جنوری سنہ ۱۹۳۰ء)

دیکھو جسے وہ شیفتہ ہے قیل و قال کا
عالم مگر کچھ اور ہے شیدا اسے حال کا

۵ نسناس یعنے بن مانس۔ عیسائیوں میں سینٹ پال نے سب سے پہلے
رت مسیحؑ کو "ابن اللہ" کہا اسطور سے ابن آدم کا سلسلہ نسب خدا سے ملا دیا۔
ارہ سو برس کے بعد ڈارون اور اسکے متبعین ہکسلی اور ہیکل نے نسل آدم کا
سلہ بندروں سے ملادیا!

اُسکو ثبوت حُسن کی درکار ہے دلیل
یہ دیکھتا ہے آنکھ سے جلوہ جمال کا
برہان مُسلّم اُسکی ہے معراج علم و فضل
ذوق سلیم اِسکا ہے زینہ کمال کا
عین الحیاتِ عقل کی اُسکو تلاش ہے
میدانِ عشق میں ہے یہ تشنہ وصال کا
آغاز کائنات کا وہ قصہ خواں ہے بس
ہردم اسے خیال ہے لیکن مآل کا
اُنجھر کی کیف وکم سے اُسے بحث ہر گھڑی
پردہ اُٹھاتا ہے یہ شیونِ ظلال کا
پیش نظر ہے اُسکے معمائے کائنات
سنتا ہے یہ جواب ''ارنی'' کے سوال کا
مرتا ہے اپنی ''لاادریت'' وہ اگر
دیوانہ ہے یہ حسن رخ لایزال کا
نواب قال وحال کی کب تک یہ گفتگو
تونے بھی باب کھول دیا قیل و قال کا

ایمان بالغیب

(۲۱ - جنوری سنہ ۱۹۳۰ء)

...سا ہمسے رہیگا تو کہاں تک — نظر پہنچی ہے اپنی لامکاں تک
...ہی اک عکس ہے سب میں نمایاں — بھرے آئینہ خانے میں جہاں تک
...رو ولیو دکیا ہے - خیر و شر کیا — ہیں تیری یاد میں بھولے یہاں تک
...ی تجھسے نہ منھ موڑونگا ہرگز — ستالے - ہاں ستاتا ہے جہاں تک
...لا بھی راہ میں چل گرتے پڑتے — پہنچ جائیگا آخر کارواں تک
...لا پہنچیں گے وہ کیا جان جاں تک — نہ پہنچی عقل[1] جنکی حد جاں تک
...ہ کیا سمجھیں گے معنی محبت — نہیں سُنتے ہیں جو غم کا بیاں تک
...ہ کیا جانیں ہے کیا ایمان بالغیب — رسائی جنکی ہے علم اللساں تک
...چا ہے آنسوؤنکا سرخ اک فرش — حریم جاں سے اُسکی آستاں تک
...دلکش ہے قصہ عمر کوتاہ — نہ آئی نیند ختم داستاں تک

پتہ نواب داغ دل سے پوچھیں
پہنچنا ہے جنھیں اُس بے نشاں تک

[1] یعنی جنھوں نے روح کو "پیردٹولیزم" (مدار الحیات) سمجھ رکھا تھا اور اسکو مادی خیال کرتے تھ...

سرودِ محبّت

(۲۰- فروری سنہ ۱۹۱۹ء)

کس مزے کے ہیں ترے در کی گدائی کے مزے
ہیچ ہیں واقعی سب دولت و شاہی کے مزے

ساری قیدوں سے چھڑایا تری اُلفت نے مجھے
مجھ سے پوچھے تو کوئی میری رہائی کے مزے

چبکے چبکے دل و دیں تو نے تو لوٹے لیکن
ہم نے لوٹے تری دزدیدہ نگاہی کے مزے

واہ کیا وادیٔ ایمن میں بھٹک کر پہنچے
گمرہی میں ہیں تری راہ نمائی کے مزے

فلسفی رہنے دے قانونِ شہادت اپنا
تو نے چکھے ہی نہیں دل کی گواہی کے مزے

جسکے بندوں کے مزوں سے نہیں واقف دُنیا
لوٹ کر لیگئے وہ ساری خدائی کے مزے

آبِ حیواں میں بھی نوّاب نہیں ملنے کے
ظلمتِ شب میں جو ہیں یادِ الٰہی کے مزے

لذّت اظہار

(۱۱ستمبر سنہ ۱۹۱۰ء)

حسن کب شیفتۂ لذّتِ اظہار نہ تھا
شعلۂ طور نہ تھا۔ گرمی بازار نہ تھا؟

نقدِ دل دینے میں کچھ ہمنے تامّل نہ کیا
جب کوئی جنس امانت کا خریدار نہ تھا

میری ایسی کوئی کیوں کہنے لگا محفل میں
دل جو پہلو میں ہے جب وہ ہی طرفدار نہ تھا

شور اعجاز مسیحا کا سُنا ہے لیکن
کیا کوئی عشق کا اُس عہد میں بیمار نہ تھا

قصۂ سوزِ دروں شمع نے چھیڑا لیکن
میں نے دیکھا تو کوئی بزم میں بیدار نہ تھا

کششِ ثقل کو ثابت کیا جس نے نواب
کششِ حسن سے شاید کہ خبردار نہ تھا

کشش حسن

(۲۵ جنوری سنہ ۱۹۲۰ء)

مادّے میں ہے کہاں یہ مادہ[1] دل کھینچ لے
عاقل و بینا کو کیونکر کور و جاہل کھینچ لے

سامنے تیرے نظر غیروں پہ ڈالیں مدعی
خنجر غیرت کمر سے اپنے قاتل کھینچ لے

میں ہوں مائل حسن پہ نیوٹن کشش کا مدعی
اپنی اپنی سمت ہو جو حق کا قائل کھینچ لے

ہیچ ہیں سب لذتیں اسکی کھٹک کے سامنے
تیر تیرا دل سے کیونکر تیر اگھائل کھینچ لے

ہمسری کا تجھسے دعویٰ ہو کسے اے جان جاں
اپنی ہی تصویر اک اپنی مقابل کھینچ لے

---

[1] مصطلح حکما میں مادہ کو اعمیٰ کہتے ہیں اور دل کو محل ادراک ۱۲

حُسن کا دیوانہ پھنسنے کا نہیں - ہشیار ہے
ارتقا کی "آخری زنجیر" ہیکل کھینچ لے
مد و جزر بحر کا نواب عالم دل میں ہے
کیوں نہ دنیا میں تجھے وہ بدر کامل کھینچ لے

لہ ڈارون کا پرجوش متبع اُسنے ایک کتاب لکھی ہے جسکا "لاسٹ لنک" ہے یعنے آخری کڑی یا زنجیر اسمیں اسنے انسان کا بندروں سے ملا دیا ہے ۱۲

نغمۂ مستانہ

(۴۔ دسمبر سنہ ۱۹۱۸ء)

ساقی کی بزم میں نہیں کچھ شیخ و شاب مست
پیمانہ مست۔ مست لب جام۔ شراب مست
پھرتے ہیں کسکی شوق لقا میں یہ روز و شب
سیارے مست مست قمر۔ آفتاب مست
ہنستا ہے کوئی روتا ہے کوئی یہ کس لئے
شبنم ہے مست۔ مست ہے برق و سحاب مست
کیا حال ہو جو رُخ سے اُٹھا ئے نقاب تو
رکھتا ہے جب جہاں کو یہ تیرا حجاب مست
بجتا ہے ساز پردۂ دل ہی مین مست ہیں
حاجت نہیں کہ رین ہمیں چنگ و رباب مست
رہنے دے اپنی جنت و دوزخ کو واعظا
کرتے ہیں کب خیالِ عذاب و ثواب مست
نواب اثر ہے آپ کے نغمات مین عجیب
ہے رند مست۔ مست صنم خوش خطاب مست

زمزمۂ توحید

(۲۱- جنوری ۱۹۳۰ء)

صانعِ دہر کا ہے جلوۂ اظہار جدا
ایک گلبن ہے مگر گل ہے جدا خار جدا

بزمِ عالم کی دورنگی کا ہے کیسا عالم
شمع ہے ایک مگر نور جدا نار جدا

جب سے اس جنسِ امانتؔ کا خریدار آیا
خیر و شر دونوں کی ہے گرمیِ بازار جدا

کششِ یار نے دونوں کو کیا جمع مگر
بزم میں غیر سے ہے محرمِ اسرار جدا

کس نے چھڑکی ہے یہ ذرّاتِ جہاں کی افشاں
مست عالم ہے جدا۔ طالبِ دیدار جدا

کشش و جذب کی خلعت کو عطا کس نے کیا
ہوتا دستارِ جہاں سے نہیں اک تار جدا

ؔ اشارہ ہے اس آیت کی طرف انّا عرضنا الامانۃ علے السمٰوٰتِ...الخ

محو دیدار کو تو ہی نظر[1] آیا ہر سو
گرچہ آتے ہین نظر یار سے اغیار جدا

خالقیت کی ہے نسبت کا ادب[2] پیش نظر
جاننے والے تجھے کہتے ہیں ناچار جدا

غم و شادیِ جہاں سے اُسے آزادی ہے
سب سے آتا ہے نظر تیرا گرفتار جدا

اتنی ہے عرض اُسے دامنِ رحمت مین چھپا
جاں ہو نوّاب کی جب جسم سے ستّار جدا

ا و ۲ مسلک توحید مین حضرات صوفیہ کرام کے دو گروہ ہیں وجودیہ یعنی قائل ہمہ اوس
در شہودیہ یعنی ہمہ از دست کے قائل ۔گروہ اول کے پیشرو حضرت شیخ اکبر ہیں اور گروہ
ے حضرت مجدد الف ثانی ۔صوفیہ وجودیہ خدا کو وجود حقیقی کے ساتھ موجود یقین کرتے ہیں او
رتبہ وہم میں سمجھتے ہیں اور اسکا مستقل وجود قرار نہیں دیتے جیسے دریا میں موج یا تا
ہیں گرہ لیکن یہ ایک ایسا مشاہدہ حال ہے جسکی تشریح زبان قال سے اکثر گمراہی کا با
ہو جاتی ہے اسطور سے کہ حق تعالیٰ کو بمنزلہ طبعی کلی کے خیال کیا اور اشخاص ممکنات کو ا
فراد جسکا نتیجہ یہ ہوا کہ نسبت خالقیت کو نظر انداز کرکے ہنود و نصاریٰ کی طرح اتحاد و حلو ا
ائل ہو گئے ۔حضرت مجدد نے اسی نسبت خالقیت کے ادب کے لحاظ اور نافہمون کے اصلاح خیا
ے باعث حقائق ممکنات کو اعدام اضافیہ یعنی نقائض صفات الٰہیہ قرار دیا جو صرف تعقل میں مو
علوم ہوتے ہیں حالانکہ خارج میں انکا کوئی جداگانہ وجود نہیں ہے یہی مطلب ہے لا عین و لا غیر کا جس
ی اصطلاح میں دائرہ ظلال کہتے ہیں۔

لذّتِ ذکر

(۵۔ فروری ۱۹۳۰ء)

ذکر کرتے ہیں اگر دن کو ترا یاروں میں
ظلمتِ شب میں تجھے ڈھونڈتے ہیں تاروں میں

دن کو بے تار کا پیغام ہے گر ذکرِ خفی
رات کو اڑتے ہیں تسبیح کے طیّاروں میں

بھیجتا ہے انھیں مریخ یہ ہر شب پیغام
شعلۂ شوق چھپا ہے مرے انگاروں میں

رات کو چپکے سے اُلفت کا ہیں سودا کرتے
دن کو پھرتے ہیں جو شیدا ترے بازاروں میں

کیا ہی عالم ہے نرالا ترے بیماروں کا
لذّتیں ان کو نئی ملتی ہیں آزاروں میں

بادۂ ذکر کا ساقیِ ازل کیا کہنا
بزمِ عالم میں سبھی ہیں ترے سرشاروں میں

طپشِ عشق سے سورج ہے تڑپتا ہر دم
بجلیاں کوند گئیں شوق کی سیّاروں میں
مجھکو تو عالمِ انوار کا جلوہ دکھلا
ہے شمار اب تو زمیں تیرا بھی سیّاروں میں
فکر میں طالبِ دنیا ہیں سدا ڈوبے ہوے
راتدن ذکر ترا تیرے طلبگاروں میں
ذکر کا ذکر ہے کیا اب ہے یہ عالم نواب
ذکر کرتا ہے اگر کوئی تو اخباروں میں

کشفِ باطن

(۲۶ - فروری سنہ ۱۹۲۰ء)

چون وچرا سے طے نہوئی راہ آج تک
کھینچی نہ دل سے آہ رسا آہ آج تک

پیشِ نظر ہے صنعت عالم کا آئنہ
نکلی نہ پھوٹے منھ سے مگر واہ آج تک

سمجھایا فلسفہ نے کہ سمجھے نہ کچھ بھی ہم
عقدہ کھلا نہ دہر کا واللہ آج تک

دل عاشقوں کے وادیِ ایمن سے کم نہیں
ملجاتی راہ ہے انھیں ناگاہ آج تک

عالم کو کس نے راہ پہ ایسی لگا دیا
ہے ایک ذرّہ بھی نہیں بیراہ آج تک

جھانکینگے تجھکو روزنِ دل ہی سے چھپ کے ہم
نظروں سے ہے نہاں تری درگاہ آج تک

نواب دل کے عرش پہ وہ دیکھتا ہے کون
اب تک کہاں تھے آپ یہ اخّاہ آج تک

شمع عرفان

(۱۵- اگست ۱۹۳۰ء)

شکایت ہے نہ شکوہ کچھ تری بے اعتنائی کا
فقط رونا ہے سوزاں آہ دل کی نارسائی کا

ترے غم میں حقیقی راحت کونین ملتی ہے
صلہ ہے سرمدی دولت ترے در کی گدائی کا

چراغ راہِ عرفاں داغ ہے تیری محبت کا
بہشت جاوداں ہے خار تیری آشنائی کا

کشش کیسی کہاں کا جذب اے سائنس کے شیدا
کرشمہ ہے یہ درپردہ اسی کی دلربائی کا

گرائے دہریوں نے تالیوں سے علم کے جگنو
کہاں جلوہ ابھی دیکھا ہے حق کی روشنائی کا

ہے اسباب وعلل پر فلسفی تکیہ ترا - لیکن
محبت نے لیا ذمہ ہے میری رہنمائی کا

گلستانِ جہاں میں باغباں نے پھول بوئے ہیں
کھٹکتا ہے مگر دل میں ترے کانٹا بُرائی کا

طلب میں چشمۂ حیواں کے سرگرداں نہیں پھرتے
جنابِ خضرِ عالم ہے عجب دل کی صفائی کا

ہوا معلوم یہ ہمکو "نہیں معلوم ہے کچھ بھی"
بھرم اے عقل سارا کھل گیا تیری رسائی کا

تجھی کو فلسفہ بھی مانتا مذہب بھی ہے لیکن
وہ قائل عِلّتوں کا ہے۔ یہ تیری کبریائی کا

یہ مانا لامکاں ہے بے نشاں ہے وہ مگر پھر بھی
دلِ شیدا کو ہے نواب سودا جبہہ سائی کا

آئینۂ عالم

(۴ - اکتوبر ۱۹۳۰ء)

تجاذب کے کشش کے عاقل و فرزانہ قائل ہیں
ترے دیوانے کھنچتے ہیں تری سو تجھ بہ مائل ہیں

دماغِ فلسفی اک چور خانہ ہے تعقّل کا
مگر جو مہبطِ انوار ہیں عشّاق کے دل ہیں

کہاں ہے عشق پر دہ ور ابھی سب حال کھل جائے
حجابِ علم ہے کہتے جو کچھ اسپنسر و مِل ہیں

یہ معلومات ہیں یا دل پہ پردے پڑتے جاتے ہیں
وہ غافل تھے جو جاہل تھے۔ ہیں بیگانہ جو عاقل ہیں

تنازع للبقا کا کشتہ ہے مردار آخر کو
تڑپنے میں بھی کرتے رقص ہیں تیرے جو بسمل ہیں

نہیں ہیں مسئلے یہ روشنی کے اور گرمی کے
کسی کے حسنِ عالم سوز کے روشن دلائل ہیں

دلِ خود آپ آئینہ ہے۔ عالم بھی ہے آئینہ
تماشا دیدنی ہے دونوں آئینے مقابل ہیں

پردۂ حجاب

(۳۰ - جولائی سنہ ۱۹۲۰ء)

کھولینگے آپ بند وہ اپنی نقاب کے — دیکھیں گے حوصلے دلِ خانہ خراب
اے شوق ایک شعلہ بھڑکنے کی دیر ہے — حائل ہیں گرچہ سیکڑوں پردے حجاب
آنکھیں ہیں فرشِ راہ ترے انتظار میں — کب سے بھرے ہوئے ہیں یہ شیشے گلاب
شاید کسی کے ہجر میں حالت ہوئی ہے یہ — آتے نظر ہیں دور سے داغ آفتاب
مستی اثر ہے ساقی مدہوش کی آنکھ کا — قائل نہ ہونگے ہم کبھی کیفِ شراب

(قطعہ)

بود و نمودِ دہر کی یہ کائنات ہے — دریا میں تیرتے ہیں کٹورے حباب
موت و حیات یہ ہے کہ نیند آ گئی ہمیں — سنتے ہی سنتے رات کو افسانۂ خواب

نواب واعظوں کی ہوس کچھ نہ پوچھئے
بھوکے ہیں خلد میں بھی شراب و کباب کے

نقاب بے نقاب

(۵۔ دسمبر ۱۹۱۸ء)

تابِ نظّارہ کسے دیکھے جو تجھکو بے نقاب
خیرہ ہو جاتی ہیں آنکھیں پیشِ تابِ آفتاب

چشمِ فتاں سے تری ہے اک جہاں مست و خراب
زلفِ پیچاں سے تری عالم میں ہے یہ پیچ و تاب

حسنِ بے پروا جفا و جور کی کچھ حد بھی ہے
دیکھ ہے جاں بلب عاشق کی اب طاقت جواب

کر کے شوخی چھپ رہی کیوں ناز سے پھر آنکھ میں
اے نگاہِ یار یہ کیسا ہے بے پردہ حجاب

یاد ما زاغ البصر کی وہ نظر بازی بھی ہے[1]
کیوں۔ تری اُس لن ترانی کا تھا یہ کیسا جواب

---

[1] حضرت موسیٰ کو رویت کے سوال کے جواب میں "لن ترانی" خدا نے فرمایا لیکن آنحضرت کی نسبت واقعہ معراج میں ارشاد ہوتا ہے "ما زاغ البصر وما طغیٰ"۔

فرق تیری بے مثالی کے یقیں میں کچھ نہو
مجھکو بے پردہ نظر تو آئے یا زیرِ نقاب

کس سے دیں تشبیہ تجھکو جاننے والے ترے
ذات تیری بیمثال اور حُسن تیرا لاجواب

میرے اعمالونکا نامہ گر کبھی لکھوا گیا
میں بھی گنوا دونگا تیری بخششیں روزِ حساب

ساری دولت ملگئی نواب دنیا کی تو کیا
اک دلِ بریاں خدا دے اور دو چشمِ پُر آب

اسرار قدم

(۲۹ - جنوری ۱۹۲۰ء)

عوالم جب کہ ظلمت میں نہاں تھے
ترے ہم "کنز مخفی" پاسباں تھے
یہ عالم جبکہ تھا اک سازِ خاموش
حریمِ قدس میں ہم سبحہ خواں تھے
نہ تھے قانونِ فطرت جبکہ نافذ
کتابِ اُمر ۵ کے ہم نکتہ داں تھے
نہ تھا جب مادّے کا بھی ہیولیٰ
مکانِ لامکاں میں ہم نہاں تھے
یہ ذرّے منتشر سب تھے - مگر ہم
فضائے نور میں برقِ طپاں تھے

---

۵ قُلِ الرُّوحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّیْ کی طرف اشارہ ہے۔

نہ تھی جب گرمیِ بازار اشیا
متاعِ حسن کے ہم کارواں تھے
نہ ہوتے ہم تو وہ نائب ہی رہتا
نشانِ بے نشاں کے ہم نشاں تھے

ہیولیٰ و عرض لطفِ بیاں تھے
جو اِدھر داستانِ پاستاں تھے
انرجی[1] "کیسی کیا "فورس" ایدل
کرشمے اُسکی قدرت کے عیاں تھے

یہ پُرپیچ ارتقا کا زینہ کیسا
عیاں اُس ذی المعارج[2] کے نشاں تھے
عناصر کی تھیں رنگ آمیزیاں کب
مصوّر کے یہ سب دلکش سماں تھے

---

[1] "انرجی" یعنی طاقت مادہ۔ فورس یعنی قوت مادہ۔ ماہرینِ سائنس کے نزدیک دونوں مادے کی ازلی صفات ہیں۔ [2] خدا کی صفت "ذی المعارج" جیسا کہ سورہ معارج میں ارشاد ہوا ہے۔

نہ تھا حکمت سے کوئی فعل خالی
تنازع تھا نہ جورِ آسماں تھے
نہ تھے نواب جب اُس سے جدا ہم
یہ خیر و شر کے تب جھگڑے کہاں تھے
وہی تھا ہے وہی - وہ ہی رہیگا
اِس عالم سے عبث ہم بدگماں تھے

(قطعہ)

تری تحقیق نے غم کو بڑھایا
عبث سائنس تیرے مدح خواں تھے
زمیں بھی اب تو اک سیارہ نکلی
ابھی تک ہم یہ جورِ آسماں تھے

(۲۵- جنوری ۱۹۳۰ء)

مادّیت تو نے ویراں باغِ عرفاں کر دیا
چلتے جادو نے ترے انساں کو حیواں کر دیا

چل سکا تجھ سے نہ اشیا کی حقیقت کا پتہ
عَلَّمَ الاَسماء سے بھی تو نے ناداں کر دیا

یہ ستم ایجادیاں ہیں یا ترا سائنس ہے
عقل کے جوہر کو کوہِ آتش افشاں کر دیا

حشر میں کل اک جہنم اور ہونا چاہیے
آج دنیا ہی کو تو نے جبکہ نیراں کر دیا

انکشافات اور دل پر پردۂ غفلت یہ کیا
تو نے مشکوٰۃ جہاں کو طاقِ نسیاں کر دیا

چھا گیا جب سے تنازع للبقا کا زنگ آہ
محو دل سے تو نے عکسِ روئے جاناں کر دیا

سامنے بھولے سے بھی حق کے نہیں جھکتے ہیں اب
بچۂ آدم کو تو نے حیف شیطان کر دیا

یہ ہوائے نفس کی گرمی کی سرگرمی ہے سب
لالہ زار قلب کو جس نے بیاباں کر دیا

صلح کے پردے میں یہ ریشہ دوانی کیوں نہ ہو
جنگ عالمگیر کا سب تو نے ساماں کر دیا

تیرے ایجادات نے اخلاق کے ملبوس میں
اسقدر جدّت پسندی کی کہ عریاں کر دیا

تو نے مذہب کو کیا مانند یوسفؑ متہم
یہ نہ دیکھا خود ہی اُسکا چاکِ داماں کر دیا

ایکدن مثل زلیخا تو بھی ہو گی منفعل
پاک دل کو آج اگر زنداں کا خواہاں کر دیا

پُرخطر ہے کسقدر منزل حجاب علم کی
راستہ قرآن نے تواب آساں کر دیا

حضرت یوسفؑ نے کید زلیخا سے تنگ آکر قید میں جانیکی دعا فرمائی تھی رَبِّ السِّجْنُ
بُّ اِلَیَّ مِمَّا یَدْعُوْنَنِیْ اِلَیْہِ ۱۲

دورِ جدید

(۲۹ - اگست سنہ ۱۹۳۰ء)

گردش میں ہے زمیں بھی اب گردشِ زماں سے
حاصل سکون اے دل ہوگا تجھے کہاں سے

غُل ہے کہ ہو رہی ہے طے منزلِ ترقی
دیکھو تو دور ہوتے جاتے ہیں کارواں سے

مانوس ہیں قفس سے ایسے کہ چھوٹ کر بھی
جاتے نہیں ہیں اُڑ کر صیّاد کے مکاں سے

مریخ و ماہ سے بھی ہونے لگے اشارے
کچھ اور سیکھنا ہے کیا جورِ آسماں سے

مٹّی کے پُتلے اُڑ کر طیاروں میں چلے ہیں
لائیں گے توڑ خوشہ پروین کا آسماں سے

قصہ ہے ارتقائی بیشک عجیب تیرا
دلکش کہاں ہے لیکن اُلفت کی داستاں سے

عاشق کی زندگی بھی بجلی کی روشنی ہے
تارِ نفس ہے روشن بیتابیٔ نہاں سے

نواب ناتوانی کام آگئی یہاں تک
اُٹھتا نہیں سر اپنا اب تیرے آستاں سے

حیاتِ طیبہ ؒ

(۷ - فروری سنہ ۱۹۳۰ء)

ہتے کب ہیں - تجھے رسوا کریں — زورِ آنکھوں پر نہیں کچھ کیا کریں
زوونکی مری کچھ حد بھی ہے — دوسرا عالم نہ کیوں پیدا کریں
گی میں بس یہی کوشش رہی — بعد مرنے کے تجھے دیکھا کریں
تابِ دید ہے کسکو یہاں — کیوں نہ وہ پھر وعدۂ فردا کریں
ہتے ہیں گر حیاتِ طیبہ ؒ — پیرویِ ملّتِ بیضا کریں
م عالم میں ہم آئے اسلئے — راگ تیرا ہی سدا گایا کریں
ڑوں جانیں ہوں گر تجھ پر نثار — ایک جان کی کسلئے پروا کریں
عری کیسی یہ ہے اظہارِ درد — خوف سے ایطا کے کیوں اخفا کریں

یوں بسر کر زندگی نواب تو
یاد گبر و مومن و ترسا کریں

۵ اشارہ ہے فلنحیینہ حیوۃً طیبۃً کے طرف ۶ عیوب قافیہ میں ایک ایطا بھی
ں دو قسمیں ہیں (۱) ایطا جلی یعنی وہ ردی جسمیں لیاقت اصل ہو سکی نہو بلکہ وہ قا
ں ہو جیسے دیکھا اور گایا (۲) ایطا خفی وہ الفاظ جس میں تکرار قافیہ ظاہر نہو جیسے دانا او

(قطعہ)

مرد و زن دونوں مگر ایسا کریں ... ں پردہ آنکھ کا پردہ ہے بس
صنف نازک کیوں نہ پھر پردا کرے ... ب نظر بازی کا لپکا عام ہو

(دیگر)

بیبیاں بھی کسلئے پردا کریں ... ہیں جب شیدائے رنگ مغربی
کیوں نہ مثل آہ وہ نکلا کریں ... ت کے مانند جب ہم گر پڑے

ے خدا نے جسطرح عورتوں کو حکم دیا قُل لِّلْمُؤْمِنٰتِ يَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِهِنَّ
فظن فروجھن وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا اسیطرح مردوں کیلئے
قُل لِّلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوا مِنْ اَبْصَارِهِمْ وَيَحْفَظُوْا فُرُوْجَهُمْ ذٰلِكَ اَزْكٰى لَهُمْ پردہ کی
عائت یہی ہے ورنہ اگر غور سے دیکھو تو بہت سے پردہ دار حقیقتاً بے پردہ ہیں اور بہت
دہ پردہ دار ہیں نگاہ کا پردہ اصل پردہ ہے اگر دنیا میں نامحرم مرد و عورت دونوں
پ سچے دل سے عمل پیرا ہوں تو ظاہری لباس کے سوال کو انسانی طرز معاشرت
ز کے ساتھ بدلتی رہتی ہے خود بخود حل کر دیگی - لیکن چونکہ خواہش نفسانی
کے اصل نائت کے سد راہ ہو جاتی ہے خاصکر اس پر فریب اور حیا سوز
تہذیب کے دور میں اسلئے اسلامی طرز معاشرت کا پردہ بھی مومنات کے لئے ضروری ہے

نظامِ مذہب

(۲۶ جنوری سنہ ۱۹۳۰ء)

نظامِ شمسی کی طرح دنیا میں ہے جدا اک نظامِ مذہب
زمینِ دل کھینچتا ہے ہر دم یہ ماہِ محشر خرامِ مذہب

وجودِ عالم ہے گر "ہیولا"[۱] کی شعلہ افشانی کا تماشا
بنایا سوزِ دروں سے حق نے فضائے جاں میں قوامِ مذہب

جنہیں ہو انکار جائیں بھی وہ مرا تو مشرب ہے شربِ دائم
ازل میں ساقی نے بھر دیا ہے "بلیٰ" کے بادے سے جامِ مذہب

وہ آئنہ علمِ دہریہ ہے کہ رو تو روشن ہے پشت تیرہ
ادھر بھی روشن اُدھر بھی روشن وہ دم ہے دیکھو حسامِ مذہب

فساد کی جڑ وہ خود ہیں کہتے جو فتنہ پھیلا رہا ہے مذہب
تمام ڈوبا ہے درد ہی میں سنیں تو آکر کلامِ مذہب

---

[۱] یعنی ہیولانی غبارِ نور جس کی شرح "ذوقِ شہود" میں بیان ہو چکی ۱۲

ہیں طفل سائنس شوخ دیدہ رہینگے کورے یہ علم حق سے
خمیر دل کا ادب ہے جنکے وہ کرتے ہیں احترام مذہب

اگرچہ سائنس ہے وہ گھوڑا جو برق رفتار و باد پا ہے
مگر یہ سرکش ہے تند بھی ہے چڑھا دو منہ میں لگام مذہب

اصول اسلام جسقدر ہیں وہ دلمیں چھپتے ہوئے ہیں بیشک
رہیگا تا حشر دین کامل حریم دل میں امام مذہب

جو زندگی کی ہے رات کالی تو کاٹ دے اسکو یاد حق میں
دکھائیگی جلوہ حقیقت یہ صبح محشر میں شام مذہب

زبان سے اقرار دلمیں ایماں طریق نواب حق کا یہ ہے
جو دلمیں ہو وہ زبان سے کہنا نہ کرنا بدنام نام مذہب

احدی الحسنیین

(۲۲ - جنوری سنہ ۱۹۳۰ء)

ہیں لا عقل کی یا قلب کا آئینہ دیکھ ۔۔۔ دیکھنا ہے گر تجھے کچھ جلوۂ جانانہ دیکھ

بات جہاں میں ذوق مستی ہے تجھے ۔۔۔ چشم ساقی دیکھ یا پھر گردش پیمانہ دیکھ

با تیرے درد کی گر تجھ کچھ کھٹک موجود ہے ۔۔۔ نغمۂ بلبل کو سن یا سوزش پروانہ دیکھ

ہے ہاتھ آئے گر ترے گنج مراد ۔۔۔ مکتب حکمت میں جا یا قلب کا ویرانہ دیکھ

عقل میں قانون فطرت پڑھ۔ مگر ۔۔۔ نور قرآں ہے جو خوشنودی کا اک پروانہ دیکھ

ہو جا جان و دل سے پہلے پھر ہے اختیار ۔۔۔ بحث آزادانہ کر یا اسکو بے باکانہ دیکھ

ن نور کا نظارہ دلکش ہے مگر ۔۔۔ گردش عالم میں اسکی لغزش مستانہ دیکھ

دیکھ کیا تو آپ کہتا ہے وگرنہ یاد رکھ

خود نتیجہ دیکھ لیگا ایک دن تو - جا - نہ دیکھ

جلوۂ یقین

(۳۱۔جنوری سنہ ۱۹۴۰ء)

گم گشتگانِ شوق کا خود رہنما ہے تو
لب تشنگانِ ذوق کا آبِ بقا

جب ٹوٹتی ہے کشتیِ دل غم کے بحر میں
جھکتے ہیں تیرے سمت کہ اب ناخدا

جب سب طرف سے ٹوٹتی ہے آدمی کی آس
بول اُٹھتا دل ہے تب کہ مرا آسرا

سائنس۔حق تو یہ ہے کہ وہ دوربین ہے
آتا نظر ہے جس میں کہ بیشک خدا

درد اپنا کس سے اور کس اُمید پر کہیں
تو نے دیا ہے درد اور اُسکی دوا

ہے کسقدر خیال تجھے کھل گیا ہمیں
ادنیٰ سے لغزشوں پہ بھی ہمسے خفا

اتنا قریب ہے کہ رگِ جاں بھی دور ہے
کہتا ہے کون تجھکو کہ ہمسے جدا

نواب کیسا شور مچا ہے زمانے میں
اللہ کا ہے شکر کہ حق کی صدا ہے تو

تلاشِ حق

(۲۳ - فروری ۱۹۲۱ء)

ہر اک کہتا ہے دُنیا میں کہ حق میرا ہی مذہب ہے
حقیقت ایک ہے لیکن سمجھ کا پھیر یہ سب ہے

ہمیں سائنس نے دکھلا دیا پانی مُرکّب ہے
مگر دیکھیں کہاں تک تشنگی سے خشک یاں لب ہے

بلند آہنگ دعوٰی ہے ترا اے فلسفی بیشک
مگر دل کو تری تقریر سے تسکین ہو جب ہے

قوانین کشش کی بحث ہم محشر میں بھی کرتے
مگر کمبخت دل مُجرم ہے اقبالی یہ بیڈھب ہے

پھنسا ہے کسلئے ذرّات کے چکّر میں تو نادان
مِلائے جس نے کل پُرزے ہیں عالم کے وہی رب ہے

غمِ دنیا نہ فکرِ آخرت سے کچھ غرض اس کو
تجھی سے کام ہے عاشق کو تیرے تجھسے مطلب ہے

جو دنیا سے گیا۔ قائم قیامت ہو گئی اُس کی
عبث نوّاب سے ہو پوچھتے محشر کا دن کب ہے

ایقانِ آخرت

(۲۴ - ستمبر ۱۹۱۲ء)

ں ہیں جنکے معرفت کا نور پیدا ہو گیا
اُنپہ رازِ زندگی در پردہ افشا ہ

ہ کیا خواب عناصر کی ہے تعبیر آدمی
جسکے دم سے دہر تیرہ میں اُجالا ہ

وح جو سوتی تھی تن میں وہ یوں جاگی ہے اب
جس نے دیکھا اک نظر محوِ تماشا ہو

ج ہے خوابِ زندگی خوابِ عناصر کی طرح
ہاں مگر تعبیر دینے والا عنقا ہو

ریت کی ہے ظلمت چار سو چھائی ہوئی
چشمۂ خورشید ایماں آہ گندلا ہو گ

ہنے مانا مادہ فانی نہیں لیکن یہ کیا
بعد مرنے کے ہمارا پاک قصہ ہو گ

م کے ذرات تو باقی رہیں ہم مر مٹیں
موت کیا آئی ہمیں خونِ تمنا ہو گ

یت کیا ہے۔ ارتقا کے سلسلہ کی اک کڑی
مر کے اس منزل میں جینے کا سہارا ہ

گی کیا ہے فقط اک نردبانِ روح ہے
صورتِ نشو و نشر سے آشکارا ہو

ے کے تیلے فنا ہونا ترا ہے محال
دعوی قانونِ ہستی تجھ پہ اجرا ہو گ

ہم یہاں ہوں یا وہاں نوّاب مٹ سکتے نہیں
اَمرِ ربی کے اشارے سے ہویدا ہو گیا

وعدۂ دیدار

(۵ - جون ۱۹۳۰ء)

ازل کا مہر بھی کیا تابدار ہے
عالم کا ذرّہ ذرّہ دلِ بیقرار ہے

ب سرابِ ہستی ناپائدار ہے
اسکی نگاہِ لطف کی ساری بہار ہے

اگر نہیں ہے مصور تو کس لئے
حیرت فزائے دیدہ یہ نقش و نگار ہے

لی ہے یا کہ ہے رقصِ شرر یہاں
یہ موت ہے کہ مژدۂ فصلِ بہار ہے

یاں کہ لائی کسی کی تلاش کھینچ
جاتے ہیں اب کہ وعدۂ دیدارِ یار ہے

ب گواہ ہے ساقی کے لطف کا
باقی مئی الست کا اب تک خمار ہے

نے فعل کا مختار ہے بشر
دل اسکو ہم نہ دیں یہ نہیں اختیار ہے

لذر رہا ہے غنیمت سمجھ اسے
دم آئے یا نہ آئے کسے اعتبار ہے

ہے کشمکش حیات کی بیشک عذابِ جان
نواب کو خبر نہیں وہ محوِ یار ہے

بہارِ عمل

(۱۷- جون ۱۹۳۰ء)

عزیز کیوں نہو دنیا کہ ہے یہ دارِ عمل
مٹیں نہ زیست پہ کیونکر کہ ہے نگارِ عمل
پسینہ محنتِ دل کا ہے شکل حور و قصور
بہشت غور سے دیکھو تو ہے بہارِ عمل
ہے کارگاہ یہ دنیا لباسِ تقویٰ کی
نہیں ہے کھیل تماشا یہ پود و تارِ عمل
ولا حیات کا مردانہ مار لے میداں
کہ بعد موت کے ہے ختم کارزارِ عمل
نہیں ہے سبزۂ خودرو یہ جدّ و جہدِ حیات
ہے دل کے خون سے سرسبز کوہسارِ عمل
عمل کا بوجھ جو ثواب تو اٹھاتا ہے
نہ بھول اُسکو کہ نیّت پہ ہے مدارِ عمل
الٰہی فضل کی گنتی میں تیری گنتا ہوں
فرشتے لکھتے ہیں جاتے اگر شمارِ عمل

آہنگِ عمل

(۲۲ - جنوری ۱۹۲۰ء)

دُنیا کے جھگڑے جتنے ہیں اک سمت دھرنا چاہیئے
مرنے سے پہلے عشق میں جاناں کے مرنا چاہیئے

"کیا ہے" کہا سائنس نے "کیوں ہے" یہ بولا فلسفہ
کہتا ہے مذہب "جو بھی ہو - کچھ ہمکو کرنا چاہیئے"

عالم کا شیرازہ نظر جسدن سے آیا عقل کو
ترکیب خود بولی اِسے اکدن بکھرنا چاہیئے

گر گوہرِ جاں کو بہا موجِ فنا لیجائے گی
کہتا ہے غوّاصِ بقا - اُسکو اُبھرنا چاہیئے

یہ منتظم عالم ہے کب ایدل گھروندا کھیل کا
یہ ہے عمل کا دائرہ کچھ کر کے مرنا چاہیئے

جل کر برنگِ شمع تو پھیلا جہاں میں روشنی
رقص شرر ہے زندگی کیوں آہ بھرنا چاہیئے

مقدور بھر جب کر چکے جو کچھ کہا حق نے تو پھر
امید رکھنا چاہیئے تو اب ڈرنا چاہیئے

انقلاب دہر

(۲۰ - جنوری سنہ ۱۹۱۹ء)

یانہ کہہ رہا ہے ساری قومیں اب برابر ہوں
یہ ہے فرمان آزادی ہو اپنی آپ ...

قی کا کھلا ہے راستہ غل چار جانب ہے
پرانی اور نئی دنیا میں سب ہم رنگ و ہمسر ہ...

ہے لیل و نہار دہر کا فتوائے حریت
کریں جو فرق کالے اور گورے میں وہ کا...

...مصلحت ہے اس خدائے پاک و اعلیٰ کی
نیا نقشہ ہو عالم کا نئے حاکم مقرر ہو

...ب کیا ہے پڑے ہیں خاک پر جو صورت ذرہ
ترقی کی فلک پہ وہ چمک کر ماہ و اختر ہ...

...سلمانو ذرا سوچو تو ہم کس بات میں کم ہیں
وہ ہیں اوصاف کیا جن سے کہ ہم ان سب سے بہ...

...ہے عزم و استقلال کی اخلاص و تقویٰ کی
خداوندا مسلمانوں میں پھر پیدا یہ جوہر ہو

وہ دل نواب پیدا ہوں کہ جن میں دردِ ملت ہو
ابھر سکتے نہیں ہم لاکھ اگر اب لاٹ ہوں سر ہوں

زندانِ بلا

(۲۷- جنوری ۱۹۱۹ء)

ن ہے یاں کہ جو با نالہ و فریاد نہیں — ہے عجب دیرِ کہن جس میں کوئی شاد نہ

ی سب ہیں مگر کوئی بھی مجنوں نکلا — آج تک نجد بیاباں ترا آباد نہی

بستوں لاکھ ہیں شیریں بھی ہزاروں ہیں یہاں — سب ہیں القصہ مگر ایک بھی فرہاد نہی

ر یوں ہی سہی بلبل ہے قفس میں گر بند — نالہ پابند اسیری کبھی صیاد نہی

شورِ حسن نہ جمہور یہ ہو جائے کہیں — تو جو عشاق کی سنتا کبھی فریاد نہ

ل ہے دنیا میں نہ اب ہوگی کبھی جنگ و جدال — چپ ہیں عشاق کہ راضی ستم ایجاد نہی

ہیں فطرت بھی بدل جاتی ہے تو یہ کیجے — وہی خنجر نہیں کیا۔ کیا وہی جلاد نہ

چرخ کے جور سے **نواب** نہ تڑپیں کیوں کر
دل ہے کنکر نہیں پتھر نہیں فولاد نہیں

۵۳

کشمکش

(۲۶ - دسمبر ۱۹۱۹ء)

نالہ کروں تو صبر و سکوں کے خلاف ہو
گر چپ رہوں تو جوشِ جنوں کے خلاف ہو

آنکھوں کو چپکے چپکے یہ سمجھا رہا ہوں میں
ایسا نہ ہو کہ رازِ دروں کے خلاف ہو

میں اور اپنی وضع بدل دوں نہ ہوگا یہ
گو رنگ دہرِ بوقلموں کے خلاف ہو

افسونِ عشق و سحرِ نظر مانتا ہوں میں
سائنس گرچہ سحر و فسوں کے خلاف ہو

قاتل نہ شرمسار ہو نواب حشر میں
کہنا وہی جو دعویِٔ خوں کے خلاف ہو

(۷- فروری سنہ ۱۹۲۰ء)

خوشی سے پھولتا ہے کوئی۔ گھلتا ہے کوئی غم سے
ترا دیوانہ رہتا ہے الگ دونوں کے عالم سے

ہوائے شوق چلتی ہے دھواں آہوں کا اٹھتا ہے
ہوئے ٹھنڈے کلیجے عاشقوں کے چشم پُرنم سے

ترے شیدائیوں کو یاد میں تیری کہاں فرصت
نہ شادی سے ہے کچھ مطلب غرض ہے کچھ نہ ماتم سے

ملی پشت حکومت پر فنا کی خاک تیرہ ہے
ہوا یہ راز ہم پر آئنہ - آئینۂ جم سے

نہیں آنکھوں میں یہ آنسو بھرے ہیں یاد میں تیری
لب ساحل ابھر آئے ہیں موتی جوششِ یم سے

غم و شادی میں صبر و شکر کا جلوہ نظر آیا
تعلق نور کا اُن کے ہے صاحبدل کے عالم سے

ملا غم اُس کا دنیا میں۔ بڑی نعمت ملی ہم کو
نتیجہ خوب نکلا قصۂ ابلیس و آدمؑ سے
غم اُس کا زخم دل کے واسطے نواب حکمت ہے
دیا نشتر ہے پہلے۔ کام وہ پھر لیگا مرہم سے

(قطعہ)

ہیں عاجز دونوں کُنہ ذات کی تحقیق سے لیکن
جدا ہے کائنات فلسفہ مذہب کے عالم سے
زمیں و آسماں کا فرق دیکھو صاف ظاہر ہے
نہیں نسبت ہے "لا اعلم" کو کچھ "واللہ اعلم" سے

دیگر

کتاب دہر کا ہر حرف اک دفتر ہے عرفاں کا
مگر فرصت کہاں رو رو کے بر قیات عالم سے
زمیں و آسماں کے یوں تو قلابے ملا دیں گے
رہ حق میں مگر یہ چلتے پھرتے گر پڑے دم سے

درد ملت

(۱۵- مارچ سنہ ۱۹۳۰ء)

تڑپ جاتے ہیں ہم دُنیا میں ہر سو درد مِلّت سے
بھرا ہے شیشۂ دل اپنا خوناب محبّت سے
یہ طبع گرم ہے اپنی فقط دینی حمیّت سے
نہیں اندازہ اِس کا ہوگا مقیاس الحرارت سے
یہ جذبہ وہ ہے جو ہر کلمہ گو کے دلمیں پنہاں ہے
یہ جذبہ وہ ہے جو پیدا ہوا عہدِ نبوّت سے
یہ جذبہ وہ ہے جس نے رنگ کی تفریق کو کھویا
یہ جذبہ وہ ہے جو ظاہر ہوا کثرت میں وحدت سے
یہ جذبہ وہ ہے جو ہے خون صالح قلبِ مومن میں
یہ جذبہ نہر ہے نکلی ہے جو دریائے رحمت سے
یہ جذبہ ہے کہ ہے کانِ نمک جس میں ہیں سب یکساں
یہ جذبہ شمع ہے روشن ہے جو نورِ محبّت سے

یہ نسلی امتیازوں کے لئے اک برق خاطف ہے
یہ ٹھکرا دیتا ہے قومی تفاخر کو حقارت سے
خبر یورپ نہیں اب تک ہے تیرے ہوشیاروں کو
یہ کیا شئے ہے کہ ہیں ہم مست جس کی کیف و لذت سے
بھڑکنے کو ہے پھر یہ آتش بے دود عالم میں
مٹانے کو ہے پھر جادوئے دنیا یہ کرامت سے
یہ مانا ہم ہیں اب بیدست و پا بے یار و بے یاور
مگر اللہ کر سکتا ہے سب کچھ اپنی قدرت سے
یہ مانا اب بہتر کیا ہزاروں ہو گئے فرقے
مگر بیتاب سب آتے نظر ہیں درد ملت سے
ہمیں یہ مغربی تہذیب دھوکا دے نہیں سکتی
کہ مسلم دیکھتا دنیا کو ہے نور فراست سے
یہ ہے وہ مادۂ سیّال جو ہے منجمد بھی سے ہے
تعصّب کی حرارت۔ سرد مہری کی برودت سے
وہ طیّارہ ہے بے پر کی اڑ اتا واقعی جو ہے
وہ سیّارہ ہے جو ہے ملتہب خود اپنی فطرت سے

قرونِ مظلمہ میں ہمنے یورپ کو کیا روشن
نکالا اس کو جہل و وہم کے قعرِ مذلت سے
ہم ہی تھے نسل اسرائیل کے کہفِ اماں۔ جسدم
نکالی جاتی تھی وہ "آسمانی بادشاہت" سے
بنایا اندلس کو ہمنے تیری صورتِ جنت
مگر تونے نکالا ہمکو واں سے کس قساوت سے
بچایا ہمنے مشرق کا کلیسا دستِ پاپا سے
مگر مجرم ہم ہی ٹھہرے ہیں مغرب کی عدالت سے
گیا عباسیوں کا دور جب تب آلِ عثمان نے
اٹھایا دینِ برحق کا علم جوشِ شجاعت سے
وہ تھے شاخِ طلا پر مثل اک دیوارِ آہن کے
پلٹ جاتے تھے سر ٹکرا کے دشمن اپنا ذلت سے
خدا کی شان ہے وہ دم بخود اب آج بیٹھے ہیں
کبھی دم مار سکتا تھا نہ یورپ جن کی ہیبت سے
ہمارے ذمیوں کے ساتھ احسان یاد کر یورپ
نہیں گر یاد ہیں تو پوچھ لے ان خود بدولت سے

ہمارے زیرِ سایہ غیر بھی پھولے پھلے ایسے
کہ اب ہمکو جگہ ملتی نہیں ہے اُنکی کثرت سے
نکلتے ہیں فقط تصویر کے پردے میں ہم ظالم
نئی دنیا کی جدت اور پُرانی کی شرارت سے
معاذ اللہ۔ گر غیروں کو ہم پامال کر دیتے
تو خارج ہم کبھی ہوتے نہ بلقاں کی حکومت سے

مطلعِ ثانی

ٹھہر اے خامہ کیا لکھتا ہے تو جوشِ طبیعت سے
سنبھل اے دل تڑپتا کسلئے ہے دردِ ملّت سے
جو مسلم ہیں بنا ہے چار گوہر سے خمیر اُن کا
شرافت سے شجاعت سے محبت سے عبادت سے

جو مسلم ہیں وہ ہیں خیر الامم دُنیا کے ہر فن میں
کہ مثلِ آئینہ سینہ ہے صاف انکا کدورت سے
خدا کے واسطے لڑنا خدا کے واسطے ملنا
خدا کی راہ میں چلنا خلوص و استقامت سے

جو مسلم ہیں غضب میں وہ کبھی حد سے نہیں بڑھتے
جو مسلم ہیں نہیں وہ مسخ ہوتے مادّیت سے
جو مسلم ہیں تواضع میں نہیں ان کا کوئی ثانی
مجسم قہر حق لیکن ہیں وہ تو ہیں ملت سے
جو مسلم ہیں وہ شور و شر سے کوسوں دور رہتے ہیں
وہ جو کچھ کرتے ہیں کرتے ہیں اسکو آدمیّت سے
جو مسلم ہیں وہ اپنے قول کے پابند ہوتے ہیں
ہمیشہ دیکھتے ہیں پالیسی کو سخت نفرت سے
جو مسلم ہیں نہیں وہ دورخی باتیں کبھی کرتے
وہ جس سے ملتے ہیں ملتے ہیں اُس سے صاف طینت سے
وہ دشمن پر بھی کرتے رحم ہیں قدرت جو پاتے ہیں
زمانہ مثل آئینہ انھیں تکتا ہے حیرت سے
ہے انکا ظاہر و باطن درخشاں مثل ہیرے کے
نہیں واقف مگر یورپ ابھی تک انکی قیمت سے
لقب ہے رحمۃ للعالمیں کونین میں جس کا
سراپا حلم ہیں ہم رحم ہیں۔ اُس کی عنایت سے

دیا ہے ہم کو اک مصباح دین اللہ نے ایسا
کہ رکھا ہے جسے دنیا میں خود اُس نے حفاظت سے
وہ نُنْجِ الْمُؤْمِنِيْنَ حَقًّا عَلَيْنَا صاف کہتا ہے
قوی دل کیوں نہوں دنیا میں ہم ایسی بشارت سے
کسی شئے سے ترے ڈرتے نہیں اے عالم فانی
خدا کا خوف ہے اُمید ہے بس اُسکی رحمت سے
ہماری زندگی اور موت سب ہے ہاتھ میں اُس کے
بنا ہے یہ طلسمی کارخانہ جس کی قدرت سے
ہم آئے ہیں جہاں میں نام پر اُس کے فقط مرنے
نہیں واقف کوئی دنیا میں اس مرنے کی لذّت سے

مطلع ثالث

ہوئے ہم جب سے غافل آہ قرآن کی ہدایت سے
بہت رسوا ہوئے ہیں اپنے اعمالوں کی شامت سے
جو کچھ کھویا ہے ہمنے آپ ہی آپس میں لڑ لڑ کر
اٹھائیں کیا مسلمان سر کو اپنے اب خجالت سے

لہ سورہ یونس

مسلمان جب لڑے آپس میں سیلاب تتار آیا
اٹھا یہ فتنہ بھی آپس کے طوفان عداوت سے
علم توحید کا تاتار نے پھر خود اٹھایا تھا
مگر اک ایک کا منہ تک رہے ہیں آج حسرت سے
عجم دم توڑتا ہے اور عرب میں خاک اڑتی ہے
زمانہ دیکھتا ہے ہم کو اے وا چشم عبرت سے
درد غیروں سے اب ہم مانگتے ہیں وائے ناکامی
زمیں ہیں خسف ہوجانا ہے بہتر ایسی حالت سے
خداوندا بچالے تو ہمیں اس سخت آفت سے
میں ہیں نا امید اے رب اعلیٰ تیری رحمت سے
جہاں سب ملک تیرا ہے جسے تو چاہے دیتا ہے
خداوند اگر رکھنا ہمیں دنیا میں عزت سے
پھریں دنیا میں کیا مغضوب کی مانند اب ہم بھی
ہی اس سے بہتر ہے کہ ہم مرجائیں عزت سے
یہ مانا ہم بڑے عاصی ہیں لیکن پھر بھی تیرے ہیں
بچالے ہم کو ہمیشہ الٰہی اس سخت ذلت سے

الٰہی ہم علمبردار ہیں توحید کے تیرے
الٰہی ہم ہیں منظورِ نظر عہدِ رسالت سے
جہاں نے تو ہمارا فیصلہ ہی کر دیا لیکن
خداوندا ہمیں اُمید ہے تیری عدالت سے
الٰہی زندگی نوّاب کی ہے تلخ دنیا میں
وہاں دِل کو شیریں کر دے ایماں کی حلاوت سے

فتنۂ دوراں

(۱۴- مارچ سنہ ۱۹۳۰ء)

دِیا آسمان نے سبق گیرودار کا — پیش نظر ہے پھر وہی فتنہ تتار کا
یا خزاں کا رنگ ہے اسلامبول پر — گذرا زمانہ "شاخ طلا" کی بہار کا
ں میں بھی جنھوں نے چلایا جہاز کو — ڈوبا سفینہ آہ اب اُنکے وقار کا
سرتا کہ خون شجاعت کا ہو گیا — سرمایہ لُٹ گیا شرف و افتخار کا

حامی دین جو تھے وہ ملے آہ خاک میں
حافظ خدا ہے دین کے اب اقتدار کا

نہ روئیں اُو غم روزگار کا — چھوڑیں کبھی تذکرہ فلک کجمدار کا

ا رسے گذر کر نکل گئے — ہو گا بخیر خاتمہ اس خلفشار کا

لیا نکل گئے جب اندلس سے ہم — بلقان کو کھو کے پائینگے اب ملک زار کا

علم نہ کبھی ہو گا سرنگوں — شاہد کلام پاک ہے پروردگار کا

ے کو ہے گردش زمانے میں — ساقی کو ہے خیال ہمارے خمار کا

ہنگامۂ جہاں میں ہے نواب ہر نفس
اُمیدوار رحمت پروردگار کا

هو الذی ارسل رسوله بالهدی و دین الحق لیظهره
ین کله ولو کره المشرکون (سورة صف)

آشوبِ عالم

(۱۵ ستمبر ۱۹۳۰ء)

سمان ہے اگرچہ حدِ نظر — جور کی حد نظر نہ آئی

س لبس اے عہدِ سفلہ دوں پرور — کھل گئے ہیں یہ عیب تیرے ج

یشۂ دل کو تو نے توڑا ہے — ہمکو پینا پڑا ہے خون

پریشن یہ کیا کیا تو نے — رگِ جاں میں چبھو دیا نش

ب کی تیز شوقِ صلح کی آگ — ہو گیا امنِ عام خاک

اگ گا یا خود اختیاری کا — سر و پا کی رہی نہ کچھ بھی

اہ واہ اے ہوائے آزادی — خوب دیکھا تماشا پھونک

ل نہ اک شکل میں ہے جور عیاں — تیغ ٹوٹی تو بن گئے خنج

بیدۂ دل کو اب نظر آیا — مادیت ہے اصل فتنہ و ش

نبی تہذیب سے ہو کب اصلاح — نہیں تقویٰ کا جب کہ دل پیر

ئی تعلیم پیش خیمۂ جنگ — اسکی تاسیس امنِ عام کا

وہ اسکا نفاق کا روز [illegible] — خط اسکا خلیص [illegible] کا منظ

ت جہل میں وہ جگنو ہے ‏ ‏ ریڈیم ہے یہ علم کا جوہر

ئین ہے اُسکے انجن کا ‏ ‏ اِسکے طیارے اُڑتے ہیں واں پر

نے اُسکی جسم کو کاٹا ‏ ‏ اِسکی بجلی ہے قلب کے اندر

اُسکا ہو گیا پورا ‏ ‏ پشت کے سمت کچھ مگر ہے کسر

معراجِ اُسطفے[۱] سمجھو ‏ ‏ خاک پر گرچہ سجدے میں ہے سر

شید اسے ہے اُسکی اک دنیا ‏ ‏ اِسکا عاشق جہاں میں ہے کمتر

اللہ یا اولی الالباب ‏ ‏ نوحہ گر کیوں ہو ملک و ملت پر

جلسے کہاں کی تقریریں ‏ ‏ پھرتے کیوں دربدر ہو خاک بہ سر

قدرت کسی میں ہے کچھ بھی ‏ ‏ ہیں اُسی کی طرف سے نفع و ضرر

ہول ہیں سیاست کے ‏ ‏ جنکو سمجھے ہوئے ہو تم لیڈر

شم پالیسی کے ہیں ‏ ‏ خادم دیں نہیں۔ ہیں بندۂ زر

نقال مغربی تہذیب ‏ ‏ ملک و ملت کے ہیں یہ بازیگر

اُن کا کام ہو کہ نہو ‏ ‏ راہ بھولے ہوئے ہیں خود رہبر

مصر کے مشہور اہرام میں ایک عظیم الجثہ سنگی بت کا نام ہے جس کا
۱۴ فٹ سے اور سر ۳۰ فٹ

فائدے سے انھیں غرض ہر دم
کام شمشیر چھری سے لیتے ہیں
دین اسلام کی آڑ ہے ان کا
حال خود ان کا ہو گیا روشن

مل کو سمجھے ہوئے ہیں پیغم
زہر دیتے ہیں ہو کے شیر وشکر
کھیلتے ہیں شکار شام و سحر
بس شکایت کا بند کر دفتر

سطح ثانی

آگیا آفتاب اب سر پہ
ہے وہ دو دل سے فتویٰ پوچھ
ہم کو کافی ہے بس کتاب اللہ
سینا اللہ پر ہے ایمان
ب اس سے جو ہے کریم و رحیم
رتا ہے جو نہ ما ستبداد
قیصر سے تاج چھین لیا
اشارے میں اسکے ہوں نابود
ہیں سائنس کی یہ ایجادیں
سفہ کی بلند آہنگی

کام کا وقت ہے اُٹھا بستر
مان حکم خدا و پیغمبر
کیا غرض ہوں جو زید و عمرو و بکر
وہی مولیٰ ہے ۔ ہے وہی داور
ہے جو تسکین دہ دل مضطر
لیتا مظلوموں کی وہی ہے خبر
زار کے جسم سے اُتار اسے
سطح غبرا و گنبد اخضر
نکل آئے مگر ہیں مور کے پر
ڈھول میں پول ہے تماما

ھرے دام و دد کی صورت میں — دیکھ تعلیم ڈاروِن کا اثر
کہاں دل کی ہے وہ حقیقت — رنگ لایا اصولِ اسپنسر
تہذیب کے ہیں یہ عنواں — مکر و زور و فساد و فتنہ و شر
اُٹھا پردہ دیکھ لے اب تو — دیدۂ دل پہ تھا فریبِ نظ
ے سن الا بذکر اللہ — پھر بجستجو نہ کے پی ساغ
ہیں اُسکے بھول جا تو اب — زن و فرزند و جاہ و مال و ز

اُسکا ہو جا تو پھر ہیں سب تیرے
مہر و اختر فرشتہ جن و بشر

تماشائے صلح

(١٠ ستمبر سنہ ١٩٢٦ء)

دیر کہن میں دور ہے عہد جدید کا
قوموں میں شور مچ گیا ھَل مِن مزید کا

تاکید ہے کہ سوٹ ہو طیار صلح کا
یعنی یہی تو وقت ہے قطع و برید کا

دکھلایا دہر نے ہے عجب سبز باغ ایک
بو مکر کی اگر ہے تو ہے رنگ کید کا

مطلب ہے اپنے کام سے نکلے بھی جس طرح
وعدے کا پھر خیال نہ ڈر ہے وعید کا

ذوق شہود کا نہیں اب کوئی مشتری
بازار ایک گرم ہے گفت و شنید کا

آب حیات کے لئے کھوتے ہیں آبرو
سمجھے نہ خاک مرتبہ ابتک شہید کا

ڈوبا جدھر ہے قوم کا خورشید اقتدار
لو اب اُدھر ہی دیکھو وہ ہے چاند عید کا

مرقع عبرت

(۱۵ - مئی سنہ ۱۹۳۰ء)

بچھا ہے پالسی کا ریشمی اک دام دُنیا میں
نواسنجون کا کیا ہو دیکھئے انجام دنیا میں

ہوا ہے شوق اب مریخ سے پیغام بازی کا
قیامت ڈھائیں گی یہ مغربی اقوام دنیا میں

نظر آتا نہیں ہے خواب میں بھی اہلِ عالم کو
بندھا ہے شہپرِ عنقا سے کیا آرام دنیا میں

وہ تسکینِ دلِ اندوہگیں ثابت ہو الحمد
جسے سمجھا ہے تو مجموعۂ اوہام دنیا میں

وبا تشکیک کی عام اور پھر قحط الرجال ایسا
کتابوں ہی میں رہجائیگا حق کا نام دنیا میں

اگر دل ہے تو خود ہی بول اُٹھیگا ایکدن تیرا
نہیں کچھ بحث تجھ سے منکرِ الہام دنیا میں

جو ہیں تہذیب کے شیدا اُتاریں سُوٹ وہ ۔ توبہ
ترا دیوانہ ہی باندھیگا بس احرام دنیا میں
نئی تہذیب نے جھونکی بہت کچھ خاک آنکھوں میں
دکھاوے اسکا خیر الماکریں انجام دنیا میں
غزل کیسی یہ مثل شیشہ خون نواب روتا ہے
کبھی ہم بھی تھے خنداں آہ شکل جام دنیا میں

رباعی

مٹائیگا ہمیں کیا چرخ نیلی فام دنیا میں
کوئی ہے ۔ ہم سے لے توحید کا یہ جام دنیا میں
مسلمان صورت غوّاص غوطے کھا کے اُبھرینگے
برنگ برق اُٹھیگا گرکے پھر اسلام دنیا میں

تلخیِ ایّام

(۹ - جون ۱۹۳۰ء)

کہہ رہی ہے صاف گردش چرخ نیلی فام کی
آدمی کی طرح ہے موت وحیات اقوام کی
ایک ہی قانون ہے کون و فساد دہر کا
ایک ہی تاریخ ہے نیرنگی ایّام کی
مشرق و مغرب میں کپلنگ* اک ہے فرق ظاہری
ورنہ حالت منقلب یکساں ہے صبح و شام کی
وہ عقاب تیز پر روما کا جیسے اُڑ گیا
مٹ گئی ویسے ہی بزم آرائی جم کے جام کی
چند آتش بازی کی ہیں پھلجھڑیاں چھٹتی ہیں جو
یہ حقیقت ہے فقط اس گیر و دار عام کی

---

* زمانۂ حال کے انگریزی شاعر کا نام ہے جس کا ایک مشہور شعر ہے کہ مشرق مشرق ہے مغرب مغرب اور یہ دونوں کبھی مل نہیں سکتے ۱۲

ناز معشوقانہ پر قاتل کے بھولے ہیں رقیب
رنگ لانے کو ہے بارش تیغ خوں آشام کی
منظر گرگ آشتی پیش نظر ہے چار سو
یعنی قلعی کھل گئی تہذیب کے پیغام کی
چرخ کا شکوہ نہیں۔ ہاں تجھ سے کہنا ہے تو یہ
بار شیں تھیں ساقیا ہم پر ترے انعام کی
فتنۂ تاتار کے شر میں تھا مضمر ایک خیر
شہد ہو جائے یہ تلخی دور نافرجام کی
ہم اگر نواب خاکستر بھی ہو جائیں تو خیر
دھوم عالم میں ہو یارب دعوت اسلام کی

(قطعہ)

خوانِ ہستی اور چُنے بخت اتفاق اسکو۔ جہ خوش
ہیں یہ بزم آرائیاں اس کے صلائے عام کی
ارتقائی سے نئے لگا یا ہے پتہ آغاز کا
کاش ہو جاتی کچھ اُس کو بھی خبر انجام کی

گلبانگِ رجا

(۱۷-جولائی ۱۹۲۰ء)

صبح کی طرح اگر چاک گریباں ہوں میں
کیا ہوا - قاصد خورشید درخشاں ہوں میں
دل تو ظلمتکدۂ دہر میں روشن ہے مرا
شمع کی طرح اگر دوستو گریاں ہوں میں
ایک طوفانِ حوادث ہے اُٹھا عالم میں
اِس تلاطم میں مثال دُرِ عُماں ہوں میں
عہدِ اُلفت ہے کہ وابستہ کی ہیں چودہ شرطیں
مثل آئینہ تری بزم میں حیراں ہوں میں
نام بدنام نہ ساقی ترا ہو جائے کہیں
یہ چھلاؤ ورنہ - کہ اس بزم میں مہماں ہوں میں
ساقیا توڑ نہ پیمانۂ دل کو میرے
کہ تری اُلفت دیرینہ کا پیماں ہوں میں

قطرۂ آب حیات اور پھر اس ظلمت میں
کشمکش زیست کی ہے اور مسلماں ہوں میں

درد الفت بھی گیا لذت ادراک کے ساتھ
ڈارون جب سے یہ کہتا ہے کہ حیواں ہوں میں

دل لیا جس نے اسے جانتا پہچانتا ہوں
فلسفی خیر سمجھ لے یوں ہی ناداں ہوں میں

خود ہی وہ قحط وفا میں مرے پاس آئیں گے
شکوہ اخواں کا نہیں یوسف کنعاں ہوں میں

یوں ہے گویا دل نواب کہ الفت تیری
مجھ میں محفوظ ہے اس طرح کہ قرآں ہوں میں

سبیل نجات

(۲۳ - مئی سنہ ۱۹۳۰ء)

جہان میں دعوی آزادگی ہے سب بے بنیاد
خدا بھی کب ہے وجوب وجود سے آزاد

وہ ہے جبھی تو ہے انکار تجھکو اے ملحد
نہو جو اُس سے نہ کچھ بحث ہے نہ استشہاد

ضرور دائرۂ دہر کا ہے اک مرکز
کشش یہ کہتی ہے لاریب ہے کوئی اُستاد

ہے آستین عناصر میں ایک ہاتھ ضرور
وگرنہ کیسے یہ اشکال اور یہ ابعاد

برنگ بادۂ گلگوں فلک کے شیشے سے
جھلک رہی ہے کسی کی صفائی ایجاد

وجود حق - عمل صالح و یقین معاد
انھیں پہ دین[1] کی قائم ہے اصل مین بنیاد

---

[1] ق تعالے ارشاد فرماتا ہے ان الذین آمنوا والذین ہادوا والنصری والصابئین
... باللہ والیوم الاخر وعمل صالح فلہم اجرہم عند ربہم ولا خوف علیہم ولا ہم یحزنون

نجات کے یہ اقانیم ہیں سن اے گمراہ
خدا کا خوف امید اس سے اور اسکی یاد
موحد اور اسے خوف ماسوا۔ توبہ
وہ اسکی راہ میں چلتا ہے ہرچہ بادا باد
نہ غم کا غم نہ خوشی کی خوشی موحد کو
وہ اسکی یاد میں بیغم وہ اسکے ذکر میں شاد
کسی میں کب ہے یہ قدرت جو کرسکے کچھ بھی
سوا ترے نہ کسی سے کرینگے ہم فریاد
بنائیں دست حوادث ہمیں گل بازی
وہ سرو ہم ہیں جو ہیں باغ دہر مین آزاد
ہم عندلیب ہیں توحید کے گلستاں کے
یہ زمزمے ہیں جسے غیر سمجھے ہیں فریاد
زمانہ قرب قیامت کا ہے یہ سن نواب
جہاں میں گرم ہے بازار مکر و کید و فساد
اگر فلاح کا طالب ہے تو تو رکھ ہر دم
خدا سے کام کسیسے نہ دوستی نہ عناد

راہ صواب

(۱۰ جنوری سنہ ۱۹۳۱ء)

ے عقل ترک سوالات چاہیئے — دل چاہتا ہے یہ تجھے دن رات چاہیئے

ے نہ چاہیئے معجزات چاہیئے — دنیا ہمیں تری نہ خرافات چاہیئے

ں تار رتیاں رہتی ہیں — ہم کو تو عاشقوں کے حکایات چاہیئے

و جائے شریعت بھی — کچھ تو خیال حج و زیارات چاہیئے

اب بن کے بھی گم کردہ راہ ہیں — قرآن پاک کے ہمیں آیات چاہیئے

بقر شیر و شکر ہو رہے ہیں — پیروں کی دیکھنا یہ کرامات چاہیئے

شرک جمع ہونگے کبھی مگر — ہمسائگی میں حسن مراعات چاہیئے

ہے شائبہ ریا سے پاک — صدق و صفا کے ہم میں کمالات چاہیئے

ہمیں ترے وہ چاہیئے جو خوش — جس میں رضا ہے دوست ہو وہ بات چاہیئے

یں ساقی کوثر کے لطف سے — ہم کو نہ کچھ بھی قبلہ حاجات چاہیئے

نواب دن کو مشغلہ ذکر یار ہو
شب کو قیام صبح مناجات چاہیئے

شیوۂ تسلیم

(٨ - دسمبر سنہ ١٩١٩ء)

انقلاب دہر سے اے دل پریشاں کس لئے
دیدۂ بینا ملے ہیں تجھکو حیراں کس لئے

اسکی ہستی کیا ہے اک کل ہے فقط چلتی ہوئی
مورد الزام ہو گردون گرداں کس لئے

خود اُلٹتے کب ہیں تاریخ زمانہ کے ورق
شکوۂ بیداد و بدعہدی دوراں کس لئے

دست قدرت میں زمام قسمت اقوام ہے
گرم و سرد دہر سے ترساں و لرزاں کس لئے

حکم ازلی میں بھی رنگ قدر و جبر ہے
دیدۂ حق بیں میں اشکوں کا یہ طوفاں کس لئے

کس میں یہ جرأت ہے پوچھے تجھسے جو اے بے نیاز
دیر کیوں آباد ہے کعبہ ہے ویراں کس لئے

رحمۃ للعالمین ذلت کی اب حد ہو چکی
جوش میں آتا نہیں رحمت کا عمّاں کس لئے

کفر کی ظلمت پہ گر غالب نہیں آتا ہے اب
ملّت بیضا کا ہے مہر درخشاں کس لئے

اَنۡتُمُ الۡاَعۡلَوۡنَ بیشک سچ ہے کچھ سمجھے مگر
شرط اِنۡ کُنۡتُمۡ کی ہے اے اہل ایماں کس لئے

کچھ خبر بھی ہے حکومت پر جو نازاں آج ہیں
سینۂ مسلم میں ہے محفوظ قرآں کس لئے

شیوۂ تسلیم ہے نواب ملّت کا شعار
ورنہ پھر کہلائیں دنیا میں مسلماں کس لئے

ۂ سورہ آل عمران میں ارشاد ہوتا ہے وَلَا تَهِنُوۡا وَلَا تَحۡزَنُوۡا وَاَنۡتُمُ الۡاَعۡلَوۡنَ اِنۡ كُنۡتُمۡ مُؤۡمِنِيۡنَ (اور سست نہ ہو اور غم نہ کھاؤ اور تم ہی غالب رہوگے اگر تم ایمان وا

اظہار آرزو

(۵ - جنوری سنہ ۱۹۱۹ء)

جو گردِ روضۂ اقدس کے یا نبیؐ پھرتے
تلاش خلد بریں مین نہ پھر کبھی پھرتے

فرشتے پھرتے ہیں یوں گرد سبز گنبد کے
پتنگے جیسے کہ ہیں گرد روشنی پھرتے

یہ مسکراتے ہیں غنچے جو صحن گلشن میں
لبوں پہ آپ کے دیکھی تھی کیا ہنسی پھرتے

گران نہو تو ہے اک عرض یہ حضوری میں
حرم میں آپ کے ہیں کیوں یہ مدعی پھرتے

زمانہ پھر گیا سارا تو خیر پھر جائے
ہم آپ ہی کے کرم کے ہیں ملتجی پھرتے

ادھر بھی ساقی کوثر وِلا کا جام صفا
یہ آرزو ہے کہ سرشار بیخودی پھرتے

خدا کا شکر ہے تو اب ہے سوال اس سے
کہ در سے جسکے نہ سائل [illegible] پھرتے

مکان لامکاں

(۳۱ - جنوری سنہ ۱۹۲ء)

[ذیل کی نظم میں کعبۂ شریف اور بیت المقدس کی اجما
یخ کی طرف اشارہ ہے۔ کعبہ کو سب سے پہلے حضرت ابرا
نے اپنے بڑے بیٹے حضرت اسمٰعیلؑ کے ساتھ سرزمین فارا
ی مکہ میں عبادت الٰہی کے لئے تعمیر کیا تھا لیکن رفتہ رف
تہ خدا بتخانہ بنگیا۔ بیت المقدس کو حضرت سلیمانؑ نے جو حضر
راہیمؑ کے چھوٹے بیٹے حضرت اسحٰقؑ کی نسل سے تھے فلسطین میں
دا وند یہواہ کی عبادت کے لئے تعمیر کیا تھا لیکن زمانہ ما بعد
ں یہود کی شامت اعمال کی باعث رومیوں کے ہاتھوں
ہ برباد ہو گیا اور بنی اسرائیل مغضوب ہو کر خانماں خرا
رنے لگے لیکن رحمت الٰہی نے اصلاح عالم کے
ل اسمٰعیلؑ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو مبعو
مایا اور کعبہ کو پھر مرکز توحید بنا دیا]۔

جب لامکاں کا ہمنے دل میں مکاں بنایا
فاران کی زمیں پر تب اک نشاں بنایا

سینا پہ ہم جو پہنچے دیدار کے طلب میں
خوب آپ نے ہمیں واں ایجاں جان بتایا

تب قدس کی پہاڑی پر ہم نے راگ گایا
سجدے کے شوق میں پھر اک آستاں بنایا

ہم نے تجھے پکارا تب دار پر بھی چڑھ کر
اس قصہ کو جہاں نے وہم و گماں بنایا

روما کی بھیڑیوں کو تب تو نے ہمیہ چھوڑا
زاغ و زغن نے اپنا مسکن وہاں بنایا

رو دھوکے آئے ہم پھر فاران کی زمیں پر
بے زرع تھی جو وادی اسمیں مکاں بنایا

لن ترانی ولکن انظر الی الجبل کی طرف لطیف اشارہ ہے [۲]ھ یعنی بیت المقدس
حضرت سلیمان نے تعمیر کیا [۳]ھ واقعہ صلیب حضرت عیسیٰ کی طرف اشارہ ہے
رومیوں نے سنہ ۷۰ء میں بیت المقدس کو مسمار کیا۔ منقول ہے کہ رومیوں کے
اعلیٰ دو بھائی تھے جنکی پرورش بھیڑیئے کی تھی [۵]ھ کعبہ شریف کی طرف اشارہ ہے

غارِ حرا میں تو نے تب خود ہمیں پکارا
لیلیٰ جاں کا ہم کو پھر سارباں بنایا
ہم نے بھی جھوم کر پھر ایسا حدیٰ سُنایا
سارے جہاں کو تیرا ہی سبحہ خواں بنایا
خوش ہو کے تو نے جلوہ دکھلایا پھر حرم میں
اور اُسکو تا قیامت دارالاماں بنایا
کعبہ میں ڈھونڈھتا ہے وہ چارہ سو اُسی کو
جس دل میں لامکاں نے اپنا مکاں بنایا
بیت العتیق دین ہے نواب کعبۃ اللہ
حافظ وہی ہے جس نے سارا جہاں بنایا
یہ دار و گیر کیسی؟ ۔ ہم کون ہیں وہ جانے
جس نے مکان بنایا جس نے زماں بنایا

نامۂ شوق

(۹ - فروری ۱۹۲۰ء)

تمنائے زیارت کہہ رہی ہے قلب مضطر سے
رسول اللہ کے در پر چلو اللہ کے گھر سے

نہیں ہے طور رحمت کا سراپا نور یہ در ہے
کہاں تک طالب دیدار حضرت آپ کا ترسے

وہ دن آئے گا کب یارب کہ آنکھوں سے لگاؤنگا
حرم کی خاک وہ بادل ہیں جس پر نور کے برسے

نظر اے رحمۃ للعالمیں ہم عاصیوں پر بھی
گذرنے کو ہے سیلاب انقلاب دہر کا سر سے

چمکتا ہے احد کا نور ذات پاک احمدؐ سے
تعلق ماہ تاباں کا ہے روشن مہر انور سے

عجب کیا ہے اگر دریائے رحمت جوش میں آئے
لکھا نواب نے یہ شوق نامہ دیدۂ تر سے

آہ رسا

(۲۹-جنوری ۱۹۳۰ء)

...ملانے دو بھی چرخ کو تیغ جفا کے ہاتھ
اُمت کی آبرو ہے حبیب خدا کے ہا...

...ھیں دکھا رہی ہے جو گردش ستاروں کی
مسلم ترا معاملہ ہے ''والضحیٰ'' کے ہاتھ

...ان نہیں ہے ہمیشہ فلک ہاتھ ڈالتا
ہاتھوں پہ مومنوں کے ہیں بیشک خدا کے ہا...

...لی دوا درد کی جب ٹوٹکہ ہوا کوئی
نسخہ عجب لگا ہے ترے مبتلا کے ہاتھ

...ں چاہتا تھا چوم لوں قدموں کو آپ کے
میری طرف بڑھا دئے بس مسکرا کے ہاتھ

...ت کہیگی آپ بھی آئیں حشر میں
جس دم کریں گے آپ شفاعت اٹھا کے ہا...

...ب اور کچھ تو نہ عجلت میں ہو سکا
بھیجا ہے تار اشک کا آہ رسا کے ہا...

---

۵ آغاز رسالت میں ایک مرتبہ آنحضرت صلعم پر چند روز وحی نازل نہیں ہوئی۔
...قریش نے کہنا شروع کیا محمدؐ کو اُسکے رب نے ناراض ہو کر چھوڑ دیا تب
...ر کے خیالات کی تردید اور آنحضرت کے تسکین کے لئے حق تعالےٰ نے یہ سور...
...حیٰ نازل فرمایا۔ اس طرح مسلمانان عالم آجکل اگرچہ خواری و ذلت کے
...یں گرے ہوسے ہیں لیکن عنقریب رحمت الٰہی انکی دستگیری کریگی
۵ ید اللہ فوق ایدیہم کی طرف اشار...

شیشۂ امید

(۳۰ - جنوری سنہ ۱۹۲۰ء)

توڑے گا فلک کیا مرے توحید کا شیشہ
توڑے نہ کہیں یہ ترے ناہید کا شیشہ
خود مہر لگائی ہے خداوند جہاں نے
کیا صاف جھلکتا ہے یہ توحید کا شیشہ
زہراب پلانے کی ہے تاکید تو سن لے
ٹوٹیگا فلک اِس تری تاکید کا شیشہ
پڑجائے نہ بال اسمیں کہیں شرک سے ہشیار
نازک ہے بہت دیکھ یہ توحید کا شیشہ
وہ بند علائق سے ہے آزاد جہاں میں
ہے جس کی بغل میں مے تجرید کا شیشہ
دل پاک رہے گرد سے دنیای دنی کے
یہ حشر میں اللہ کی ہے دید کا شیشہ

تعظیم کی جس دل میں سے تاب بھری ہے
ملتا ہے اسے غیب سے تائید کا شیشہ

بے بحث اسے مانتے ہیں صاف ہیں جو دل
رکھ دیتے ہیں وہ طاق پہ تردید کا شیشہ

تشکیک کی کچھ حد بھی ہے سائنس کے شیدا
دل ہے کہ ہے سرانجم کی تولید کا شیشہ

لا تقنطوا پڑھ پڑھ کے جو ہے جھومتا نواب
یا رب کبھی ٹوٹے نہ یہ امید کا شیشہ